Woodbrooke Series.

WHO IS GOD?

By Prof. Lootfy Levonian.

خدا کون ہے؟

مصنفہ

پروفیسر لطفی لیوونیان صاحب

مترجمہ مسز ایف۔ڈی۔وارث صاحبہ

بی۔اے۔منشی فاضل

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی

انارکلی۔لاہور

The Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore.

Woodbrooke Series.

WHO IS GOD?

BY PROF. LOOTFY LEVONIAN.

خُدا کون ہے؟

مُصنّفہ

پروفیسر لُطفی لیوونیان صاحب

مترجمہ مسز ایف۔ ڈی۔ وارث صاحبہ

بی۔ اے۔ منشی فاضل

پنجاب رِلیجس بُک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

The Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore

Woodbrooke Series

WHO IS GOD?

خدا کون ہے؟

انسانی دل عرفانِ الٰہی کو حاصل کرنے اور خدا کی ماہیت کو سمجھنے کا ہمیشہ سے فکرمند رہا ہے۔ زمانہ قدیم میں بنی نوع انسان ہر عجیب شے کو خدا تصور کرتے اور اس کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا جس قدر اقوام یا قبائل ہوتے ہیں اسی نسبت سے خدا بھی ہوئے ہیں بلکہ بعض قبائل تو متعدد خداؤں کی عبادت کرتے رہے ہیں اور اسی کا نام بُت پرستی یا شرک ہے۔ لیکن مرورِ زمانہ اور انسانی عقل کی ترقی کے ساتھ لوگوں نے اس عقیدہ کو ترک کر دیا ہے اور خدا کی وحدت کے قائل ہو گئے ہیں اور یہ عقیدہ وحدانیت کہلاتا ہے۔ اس کو تاریخ مذاہب میں ایک بڑی ترقی کی منزل سمجھنا چاہیئے۔ صرف ایک خدا ہے اور اس کے سوائے اور کوئی خدا نہیں۔ آج یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے۔

خیر اِس سے اہم تر ایک اور سوال انسانی عقل کے در پیش ہے۔ یعنی خدا واحد تو ہے لیکن وہ واحد خدا کیسا ہے؟ اس کے خصائص کیا

ہیں؟ انسان اور عالم موجودات کے ساتھ اس کا تعلق کیا ہے؟ دورِ حاضرہ میں لوگ ان سوالات پر غور و خوض کر رہے ہیں اور ہر ایک قوم و فرقہ نے اس کا جواب اپنے قدرتی ماحول کے مطابق دیا ہے۔ مثلاً اُن اقوام نے جو کوہساروں میں بودوباش کرتی ہیں۔ وہاں کے مناظر پر غور کرتے ہوئے اُن کوہساروں کی شان و شکوہ اور برق و رعد کو خدا سے منسوب کیا ہے۔ بعض اقوام نے چرخِ نیلگوں کی وسعت سے حیران ہو کر اس کو مختلف پردوں یا طبقوں میں منقسم کیا ہے اور خدا کو اُن پردوں میں سے اعلیٰ ترین اور بلند ترین پردہ پہ تخت نشین تصور کیا ہے۔ ان تمام تصوّرات میں خدا کی صفات میں سے اہم ترین صفت اس کی شان و شوکت اور اُس کی طاقت و قوت تسلیم کی گئی ہے لہٰذا بنی آدم اُس سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب میں خوف کا عنصر اس قدر اثر پذیر ہے۔

حقیقی الٰہی عرفان کے حصول کے لئے ایک بلند تر نقطۂ نظر کی ضرورت ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم کسی حد تک دشت و جبل اور اشجار و حیوانات سے خدا کی ہستی کا ادراک کرتے ہیں۔ لیکن یہ کافی نہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس لئے معرفتِ الٰہی کو حاصل کرنے کے لئے چاہیے کہ ہم انسان سے ہی شروع کریں۔ دشت و جبل میں مادّہ موجود ہے۔ نباتات اور حیوانات میں زندگی ہے۔ انسان میں جسم اور زندگی دونوں ہیں۔ لیکن ان ہر دو کے علاوہ اُس میں رُوح بھی ہے۔ اور اس کا یہی وصف ہے جو اس کو تمام دیگر مخلوقات پر فضیلت بخشتا ہے۔ انسان ایک ایسی ہستی ہے جس کو اپنا احساس ہے اور جو فہم و

ادراک اور قوّت ارادہ کا اہل ہے جس میں ہر قسم کے جذبات اور قوائے موجود ہیں۔ اس رُوح کو ہم شخصیت یا خودی کہتے ہیں اور یہی انسان کی اعلیٰ ترین خصلت ہے۔ وہ جو اس خصلت یا وصف کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے دیوانے کہلاتے ہیں اور جو اُس کے اہل ہوتے ہیں سلیم العقل کہلاتے ہیں۔

جب ہم خدا کے متعلّق غور و فکر کرتے ہیں تو چاہئے کہ ہم اُس کو اسی نقطۂ نگاہ سے دیکھیں۔ اگر انسان خودی کا صاحب ہے تو ضرور ہے کہ خدا بھی خودی کا مالک ہوگا اور اس کی خودی انسان کی خودی کی نسبت کامل تر ہوگی۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا رُوح ہے اور وہ جسم نہیں رکھتا تو ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ گوشت۔ پوست اور ہڈی نہیں رکھتا بلکہ خودی کا مالک ہے۔ رُوح ہوا کی مانند کوئی پوشیدہ مادہ نہیں وہ خودی ہے اور خودی کوئی مادّی شئے نہیں۔ اگر کسی شخص کا کوئی عضو مثلاً بازو یا ٹانگ وغیرہ کاٹ دی جائے تو اُس کی خودی اُسی نسبت سے کم نہیں ہو جاتی۔ جسم کے کسی حصّہ کے کاٹ دئے جانے سے خودی میں مطلق فرق نہیں آتا۔ اطبّاء کا قول ہے کہ انسانی جسم کا ہر ایک ذرّہ سات یا آٹھ سال کے بعد بدل جاتا ہے۔ آج میرے جسم میں اُن ذرّات میں سے ایک بھی موجود نہیں جو دس سال پیشتر وہاں تھے لیکن میری خودی برابر ویسی ہی ہے۔ جب میں کہتا ہوں "میں" تو اس سے میری مراد مادّہ نہیں بلکہ میری خودی ہے۔ صحیح عرفانِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے ہم کو اسی نقطہ سے شروع کرنا ہوگا۔ آئیے اب ہم خودی کے معنی کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

خودی سے مُراد ایک ایسی ہستی ہے جو حِس اور علم رکھتی ہو اور صاحبِ فہم و ارادہ ہو۔ علاوہ ازیں خودی میں خصائل اور اخلاق بھی موجود ہیں اور انسان کی خودی کی اعلیٰ ترین صفت یہی خصائل اور اخلاق ہیں۔ یہاں تک کہ ہم انسانیت کا مطلب اخلاق و خصائل ہی سمجھتے ہیں۔ انسان میں اس بات کی اہلیت ہے کہ وہ نیکی و بدی۔ درستی و نادرستی۔ راستی اور کذب و دروغ میں تمیز کر سکے۔ ایک بالغ شخص نیکی و بدی میں امتیاز کرتا ہے۔ نیکی سے محبت رکھتا ہے اور بدی سے نفرت کرتا ہے۔ اس وصف سے عاری ہونا انسانیت سے خالی ہونا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی شخص کا جسم بڑا مضبوط اور طاقتور ہو۔ اور وہ خود بڑا تیز فہم اور عالم اور قدرت والا بھی ہو لیکن اگر اُس میں اخلاق کی کمی ہو تو وہ کامل انسان نہیں سمجھا جائیگا۔ انسان میں سب سے اہم ترین بات علم و طاقت نہیں بلکہ اس کے اخلاق ہیں بعض اشخاص دولتمند تو ہوتے ہیں لیکن وہ بے انصاف ہوتے ہیں اکثر سائنس دان عالم و فاضل تو ہوتے ہیں۔ لیکن وہ نیک نہیں ہوتے بے شمار ایسے اشخاص جو عدل گستری کے اعلےٰ عہدوں پر ممتاز ہیں اور صاحبِ رُتبہ اور اختیار بھی ہیں۔ درحقیقت صداقت کو پائمال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی انسانیت کا نمونہ نہیں بن سکتے۔

اخلاق کی بہترین اور افضل ترین صفات نیکی اور محبت ہیں۔ نیک آدمی اپنے خاندان سے محبت رکھتا ہے۔ اپنے ہمسایوں سے نیک سلوک کرتا ہے بلکہ اپنے دشمنوں سے بھی مہربانی سے پیش آتا ہے۔ انصاف پسند اور راست گو ہونا قابلِ تعریف ہے لیکن ہر ایک کی خدمت کرنا۔ ہر ایک سے محبّت رکھنا اور بدی کے عوض نیکی کرنا اس سے بہتر ہے بعض

ایسے اشخاص ہیں جو ہمدردی کرنے میں فراخ دل نہیں ہوتے۔ وہ فقط اپنا خیال کرتے یا اپنے خاندان کے متعلق فکرمند ہوتے ہیں۔ لیکن برعکس اِس کے ایسے لوگ بھی ہیں جن کی ہمدردی وسیع ہوتی ہے۔ وہ اَوروں کے خاندانوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ وہ ہر ایک کی جو حاجتمند ہوتا ہے مدد کرتے ہیں۔ وہ تمام دُنیا کو اپنی ہمدردی اور محبت کے دائرہ میں شامل کر لیتے ہیں۔ حقیقی بزرگی و عظمت اس میں پائی جاتی ہے اور درحقیقت ایسے لوگ بزرگ ہوتے ہیں۔ سب سے بزرگترین شخص وہ نہیں جو سب سے زیادہ طاقتور یا مضبوط ہوتا ہے بلکہ وہ جو باقیوں کی نسبت نیک۔ انصاف پسند اور رحمدل ہوتا ہے۔ طاقتور ہونا تو حیوانات کی خاصیت ہے اور اخلاق انسان کی۔ انسان کی بہترین صفات نیکی۔ راستبازی اور محبت ہیں۔

اگر ہم خدا کو سمجھنا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ ہم اُس کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھیں۔ قدیم اقوام کے نزدیک خدا کی بزرگترین خاصیت اُس کی قدرت و طاقت تھی۔ اس وجہ سے وہ خدا کو ایک خوفناک ہستی تصور کرتی تھیں خدا سے متعلق اُن کا مفہوم یہ تھا کہ وہ زور آور اور قوی و قادر ہے جو حاکم مطلق کی مانند عمل کرتا ہے اور اُس خدا کے غضب سے گریز کرنے کے لئے انہوں نے قربانیاں گذرانیں اور اس کو سجدہ کرتی رہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ خدا خود مختار ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے مارتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نیکی کرتا اور جس سے چاہتا ہے بدی کرتا ہے۔ خدا کا نام سُنتے ہی خوف کے باعث اُن کا دم نکلتا تھا۔ خدا کا یہ غلط مفہوم انسانیت کے نادرست تصوّر کا نتیجہ ہے۔ قدیم

اقوام مختلف فرقوں اور ریاستوں میں منقسم تھیں۔ اور یہ فرقے اور ریاستیں اپنے حکام کو بزرگترین ہستیاں سمجھتی تھیں۔ اور اُن حکام کی خصائل و صفات کو وہ خدا سے منسوب کرتی تھیں۔ فرقوں کے لوگ اپنے حکام کے غلام ہوتے تھے۔ پس لوگوں نے خدا کو مثل ایک حاکم یا مالک اور اپنے تئیں اُس کے غلام تصور کر لیا تھا۔ چونکہ حاکم ایک نہایت عظیم الشان ہستی تسلیم کیا جاتا تھا۔ لہٰذا خواہ اُس کے اخلاق اور اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ اُس کی بندگی بجا لاتے تھے اور اُس کی عظمت و بزرگی میں اُس کے اعمال یا اخلاق کی وجہ سے کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ فی زمانہ لوگ اس منزل سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔ اور معیارِ اخلاق اس قدر بلند ہو گیا ہے کہ اب اُن ہستیوں کو مقتدر اور عالی شان نہیں سمجھا جاتا۔ جو مختار مطلق ہوں۔ بلکہ وہ جنہوں نے بنی نوع انسان کی خدمت سرانجام دی ہو اور جنہوں نے بلا امتیاز قوم و ملت عوام الناس کی فلاح و بہبود میں اضافہ کیا ہو۔ بزرگ اور اعلیٰ ہستیاں وہ ہیں جو جور و ستم۔ جہالت۔ افلاس اور امراض کے خلاف جہاد کرتی ہیں۔ دولت اور مرتبہ۔ طاقت اور قدرت کے نشان تو ضرور ہیں لیکن ان کو نیک اور اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں انسان کی اصل بزرگی و عظمت پائی جاتی ہے۔

یہی اصول خدا کے حق میں بھی درست آتا ہے۔ خدا کی دولت اور علم نہایت وسیع ہیں۔ لیکن خدا کی اصلی نیکی اُن کو بنی نوع انسان کی مصلحت و بہتری کے لئے صرف کرنے میں پائی جاتی ہے۔ خدا نیکی۔ رحم و راستی کا منبع ہے۔ خدا انصاف اور محبت کے ساتھ عمل کرتا ہے اور اپنے اعمال و افعال میں اُن اصولوں کو ترک نہیں کرتا۔ وہ بے قاعدگی

اور ظلم سے کام نہیں لیتا۔ آج کوئی کسی جبّار یا کسی خاص فرقہ کے خدا کی عزت نہیں کرتا خدا کی سب سے اعلیٰ وافضل صفات اُس کا انصاف اور اُس کی نیکی ہیں۔ خدا تمام عالم موجودات کا خالق ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق پر اپنی تمام رحمت و شفقت کو نازل کرتا ہے۔ اگر کوئی اس زمانہ میں یہ دعوےٰ کرے اور کہے کہ "مَیں معجزات کرتا ہوں۔ اس لئے میری پیروی کرو۔" تو ہر ایک اس کو دیکھنے تو ضرور جائیگا لیکن کوئی اُس کی پیروی نہیں کریگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی کرامات کرے تو بھی بدکار ہو۔ جو اوّل بات ہم کسی شخص میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ طاقت و قدرت نہیں بلکہ یہ کہ آیا اس میں اخلاقِ جمیلہ اور نیکیٔ طینت پائی جاتی ہے یا نہیں۔ لہٰذا خدا میں بھی ہم کو انہیں صفات کی تلاش کرنا چاہیئے۔ خدا سے متعلق اہم بات یہ نہیں کہ وہ واحد ہے اور لاشریک بلکہ یہ کہ آیا اس میں محبت اور نیکی موجود ہیں یا نہیں۔ کیا ہمیشہ اُس سے نیکی ہی صادر ہوتی ہے یا گاہے گاہے بدی بھی؟

مندرجہ بالا سوال محض شوقیہ نہیں پوچھا جاتا بلکہ اس لئے کہ انسانی زندگی کے ساتھ اس کا بڑا نزدیکی تعلق ہے۔ خدا کے اِس مفہوم سے کسی شخص یا قوم کے اخلاق بنتے ہیں۔ ایک ایسی قوم کے اخلاق بھی جو کسی "بوزنہ" خدا کی معتقد ہے ویسے ہی ہونگے جیسے اُن کے خدا کے۔ ایک ایسے خدا کے پیروؤں کے اخلاق جو کذب و دروغ کو پسند کرتا مے نوش۔ فریب دِہ۔ زناکار اور ظالم ہے نہایت رذیل اور ادنےٰ ہی ہونگے۔ خدا کا تصوّر انسان کے اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔ ہم ایسی قوم سے جو ایک حاکم مطلق اور ظالم خدا پر اعتقاد رکھتی ہے کس طرح انصاف

کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اوصاف اور اخلاق اعلیٰ و عُمدہ ہوں تو چاہیئے کہ ہم ایسے خدا کے معتقد ہوں جو عادل۔ صادق۔ رحیم و شفیق ہو۔

خدا کو بے شمار نام دئے گئے ہیں جن سے خدا سے متعلق ہمارا تصور ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً انسان نے خیال کیا کہ عالمِ موجودات نیست سے ہست نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اُس نے خدا کو خالق کا نام دے دیا۔ اِسی طرح اُس نے ستاروں۔ سیاروں۔ پہاڑوں۔ وادیوں۔ جانداروں اور پودوں کا بغور مشاہدہ کیا اور خدا کی حکمت اور اس کی قدرت کی تعریف کرتے ہوئے اس کو قادر۔ حکیم۔ اکبر اور مالک عالمین کہا ہے پھر خدا کے ناموں میں سے ایک "باپ" ہے۔ یہ نام خدا کی نیکی اور اس کی محبت کا اظہار کرتا ہے اور خداوند یسوع مسیح نے خدا کے دیگر ناموں کی نسبت اس نام کو زیادہ استعمال کیا ہے۔ اس کی تعلیم میں خدا کی ابویت کو مرکزی جگہ حاصل تھی۔ اور یہ اُن خاص باتوں میں سے ایک ہے جو خدا سے متعلق یسوع مسیح کی تعلیم اور دیگر مذاہب کے ہادیوں کی تعلیم میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ خداوند یسوع خدا کے دیگر ناموں سے منکر نہیں تو بھی وہ اس نام یعنی "باپ" کو باقیوں پر ترجیح دیتا ہے اور وہ کیوں؟

خداوند یسوع مسیح یہودی ہونے کی حیثیت میں خدا کی وحدانیت کا قائل تھا۔ شریعت اور انبیا نے خدا کی وحدانیت کی خوب تعلیم دی تھی۔ "مَیں ہی اوّل اور مَیں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں"۔ پھر شریعت کہتی ہے "مَیں نے دُنیا کو پیدا کیا اور میرے سوا اَور کوئی

خدا نہیں"۔ مسیح کا اعتقاد بھی تھا اور اُسی کی اس نے تلقین کی۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ شریعت میں سب سے بڑا حکم کونسا ہے تو اُس نے فرمایا "تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"۔ یسوع مسیح کے الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ اس کے دل میں خدا کی وحدانیت کے متعلق شک نہ تھا۔ اس سوال کا جواب کہ کتنے خدا ہیں۔ یسوع مسیح اور تمام اہل یہود ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ فقط "ایک خدا ہے"۔ اور اس امر پر دونوں متفق تھے۔

لیکن اس سوال کے متعلق کہ خدا کیسا ہے اور انسان کے ساتھ اُس کا کیا تعلق و رشتہ ہے۔ یسوع مسیح اور اہل یہود میں بڑا زبردست فرق تھا۔ یہودیوں کے نزدیک شریعت سب سے اہم ترین شے تھی۔ توریت خدا کی شریعت تھی اور اہل یہود خدا کو "صاحب شرع" یا "شارع" سمجھتے تھے۔ پس وہ خدا اور انسان کے باہمی رشتہ کو فقط ایسا تعلق خیال کرتے تھے جو ایک شارع کا جو اپنی شرع کی اطاعت کروانے پر قادر ہو اور ایک ایسی جماعت کا جو شریعت کے ماتحت ہو باہم دیگر ہوتا ہے۔ شریعت ان کے پاس موجود تھی اور کوئی فرد بشر اُس کی اطاعت سے گریز نہیں کر سکتا تھا۔ جو اس کو بجا لاتے تھے۔ ثواب حاصل کرتے تھے۔ اور جو ان احکام شریعت سے رُوگردانی کرتے تھے۔ وہ سزا کے مستوجب ہوتے تھے۔ اور وہ جو بے پروائی اور غفلت کی وجہ سے ان احکام کی تعمیل کرنے میں قاصر رہ جاتے تھے ان کو خدا کے غضب کے دُور کرنے کے لئے روزہ رکھنا پڑتا اور قربانیاں گذرانی

پڑتی نہیں۔

خداوند یسوع مسیح کا تصور خدا اس مفہوم کے بالکل برعکس تھا۔ اس کے خیال کے مطابق خدا اور انسان کا باہمی تعلق بعینہٖ ایسا تھا۔ جیسے دو شخصوں کا باہمی رشتہ ہو۔ ایک مطلق العنان منصف لوگوں کی شخصیتوں کا بالکل لحاظ نہیں کرتا۔ وہ مقدمہ کا جائزہ لیتا اور خواہ کوئی کیوں نہ ہو۔ اس پر شریعت کے مطابق فتویٰ لگا دیتا ہے۔ لیکن دو دوستوں کے درمیان اور قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ منصف فقط فعل یا عمل پر غور کرتا ہے لیکن دوست مقصد اور مدعا کا خیال کرتے ہوئے اس کے مطابق فتویٰ لگاتا ہے۔ منصف جرم کے موافق سزا کا فیصلہ کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بس۔ بعد ازاں وہ مجرم کو قید میں ڈال دیتا اور کمرۂ عدالت سے نکل کر باہر چلا جاتا ہے۔ لیکن ایک راستباز شخص مجرم کی سزا کے متعلق فیصلہ کرنے سے پیشتر اس کی غلطی پر غور کرتا اور دیکھتا ہے کہ کس طرح اُس شخص کی اصلاح ہو سکتی ہے یعنی منصف کی توجہ خطا پر اور دوست کی اصلاح پر مرکوز ہوتی ہے۔ منصف فقط مجرم کے گذشتہ حالات پر غور کرتا اور اُس کے مطابق فتویٰ لگاتا ہے۔ لیکن دوست مستقبل کو مدنظر رکھ کر اُس شخص میں نیکی کی گنجائش کا خیال رکھتے ہوئے اس کو ایک اور موقع دیتا ہے۔ دوست یہ یقین کرتا ہے کہ شراب خور شراب سے بچ سکتا اور بدکار بدکاری سے اور یہ دونوں آخرکار نیک اشخاص بننے کے قابل ہیں اور وہ اسی کو انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ منصف اور مجرم کے درمیان شرعی تعلق ہے لیکن دوستوں کے

درمیان محبت کا رشتہ ہوتا ہے۔ یہودی خدا اور انسان کے باہمی تعلق کو محض شرعی تعلق سمجھتے تھے اور خداوند یسوع مسیح اس کو محبت کا رشتہ تصوّر کرتا تھا۔ یہودی ظاہرہ اعمال کے مطابق اپنی زندگیوں پر فتویٰ لگاتے تھے۔ اور اس بات پر نازاں تھے کہ وہ لفظی طور پر شریعت کے پابند ہیں۔ اسی طرح وہ اوروں کی زندگیوں کا فیصلہ شرعی معیار کے مطابق کرتے اور ان کو قصوروار ٹھہراتے تھے۔ اور یسوع مسیح اس کی مخالفت کرتا تھا۔ اُس نے فرمایا "پہلے اور رکابی کو اندر سے صاف کرتا کہ اُوپر سے بھی صاف ہو جائیں"۔ اپنے اعمال پر نہیں بلکہ اپنی نیت پر غور کرو۔ خداوند یسوع نے لوگوں کو دوسروں پر فتویٰ لگانے سے خبردار کیا اور بتایا کہ کمزوروں پر رحم کریں خیرات کرنا نیکی ہے۔ لیکن اگر کوئی محض ظاہرداری کے خیال سے خیرات کرے تو اس کا یہ فعل کیونکر خدا کو پسند آ سکتا ہے؟ دُعا کرنا اور روزہ رکھنا بھی اچھا ہے لیکن اگر کوئی شخص فقط لوگوں کو دکھانے کی خاطر ایسا کرتا ہے تو اُس کی عبادت خدا کے حضور مقبول نہیں ٹھہر سکتی۔ البتہ اگر خدا کو صرف ایک مطلق العنان منصف یا مقنن تصور کیا جائے تو لفظی طور پر شریعت کی پابندی کافی ہو گی۔ لیکن انسانی تعلقات کی بِنا فقط شریعت کی اطاعت و فرمانبرداری پر موقوف نہیں بلکہ انسان کی نیت اور اُس کے مقصد اور منشا پر منحصر ہے۔ دوستی کی بنیاد قانون و شریعت کی پَیروی نہیں بلکہ باہمی محبت اخلاص اور لحاظ ہے۔

خداوند یسوع مسیح نے خدا کو "باپ" کا نام اس لئے دیا تا کہ خدا کے اس رشتہ کا خلوص اور اُس کی عظمت اور توقیر و تکریم ظاہر ہو

جائے۔ یسوع مسیح اس نام کا موجد نہیں۔ بے شمار قدیم مذاہب اور دعاؤں میں خدا کو "باپ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ مثلاً زبور میں مرقوم ہے۔ "تو میرا باپ اور میرا خدا ۔ ۔ ۔ ہے"۔ اور توریت میں مندرج ہے "اسرائیل میرا بیٹا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے"۔ لیکن خداوند یسوع مسیح اس نام باپ کے نہایت عمیق معنی لیتا ہے۔ یعنی یسوع مسیح کے نزدیک خدا کے تمام ناموں میں سے اعلےٰ ترین اور پُر معنی نام "باپ" ہے۔ اور وہ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں خدا کو "باپ" کے نام سے مخاطب کرتا تھا۔ جب اُس نے اپنے حواریوں کو دُعا کرنا سکھایا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی دعاؤں کو "اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے" کہکر شروع کریں۔ وہ اپنی زندگی کے نازک اوقات میں خدا سے متوجہ ہوتا اور باپ کہہ کر اس سے مخاطب ہوتا تھا آخری شب کو جب کہ وہ سخت عذاب میں گرفتار تھا۔ نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ موت کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کے مبارک لبوں سے یہ الفاظ نکلے "اے باپ تیری مرضی پوری ہو"۔ خداوند یسوع خدا کو باپ تصور کرتا تھا۔ اس لئے وہ نہایت آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ اس کے حضور جاتا تھا بعینہ جیسے کوئی اپنے حقیقی باپ کے پاس جائے۔ یسوع مسیح کے نزدیک خدا کی ابوبیت کوئی مذہبی مسئلہ نہ تھا بلکہ وہ ایک زندہ حقیقت تھی۔ اور یہی اُس کی روزانہ زندگی کی طبعی بنیاد تھی۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا "دیکھو خدا اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے"۔ پھر جنگلی سوسنوں کو دیکھو۔ خدا ان کو کیسے پوشاک پہناتا ہے۔ پرندوں کو دیکھو خدا کیسے انکو خوراک پہنچاتا

ہے"۔ اس طریق سے اُس نے ظاہر کیا کہ خدا تمام بنی آدم بلکہ تمام مخلوق کا باپ ہے۔ یسوع نے ہرگز خدا کو مطلق العنان حاکم یا ظالم مقنن نہ سمجھا۔ وہ خدا کو باپ خیال کرتا تھا اور اسی کی اُس نے تعلیم دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ بنی نوع انسان پر خدا کی محبت اور اس کی رحمت کو واضح کردے۔

اس نام یعنی "باپ" کی جو مسیح یسوع نے خدا کو دیا بے شمار غلط تشریحیں کی گئی ہیں لیکن ان میں سے ایک کی بھی گنجایش مسیح کی تعلیم میں موجود نہیں۔ مثلاً یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ چونکہ خدا باپ ہے لہٰذا وہ مثل دیگر انسانوں کے بچّوں کا باپ ہو سکتا ہے۔ خدا جسم نہیں رکھتا۔ لہٰذا نہ تو وہ خود کسی سے پیدا ہؤا اور نہ کوئی اُس سے پیدا ہوتا ہے۔ یسوع مسیح نے صاف فرمایا کہ "خدا رُوح ہے اور ضرور ہے کہ اُس کے پرستار رُوح اور سچائی سے پرستش کریں"۔ یسوع لفظ "باپ" کا استعمال استعارۃً کرتا تھا۔ ابوّیت کی لازمی اور اصل بات مادّی نہیں بلکہ رُوحانی ہے۔ ابوّیت کے معنی ہیں خدمت اور محبّت۔ ایک حقیقی باپ اپنے خاندان کے تمام شرکاء سے محبّت رکھتا ہے۔ وہ اُن کے لئے فکرمند ہوتا۔ محنت کرتا اور اپنے آپ کو اُن کے لئے نثار کر دیتا ہے۔ نہایت افسوسناک امر ہے کہ بہتیرے باپ لفظ ابوّیت کے جسمانی معنی لیتے ہیں یعنی پیدا کرنا۔ حکومت کرنا اور ظلم کرنا اور خود اسی کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ خاندان کے تمام شرکاء پر اُن کا خوف طاری ہو۔ اور وہ سب کو زدوکوب کریں۔ لعن طعن کریں۔ کفر آمیز کلمات منہ سے نکال کر سب کو دھمکائیں اور ڈرائیں۔

ابویت اس کا نام نہیں کیونکہ یہ محض ظلم و ستم ہے۔ حقیقی باپ گھر میں سب سے بزرگ ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے سب کا عزیز بھی۔ اس کے بچے اس کے پُرتبسم چہرے کو دیکھکر خوش ہوتے اور وہ اُن کی محبت اور تعظیم و تکریم کو دیکھ کر دل شاد ہوتا ہے۔ زندگی کے تمام تعلقات کی نسبت باپ اور بچوں کا باہمی تعلق سب سے اعلیٰ ترین اور عمدہ ترین ہوتا ہے۔ باپ کی محبت پاک ہے اور بے لوث۔ اس میں خوف و ریا کا گذر نہیں۔ باپ اور اس کے بچوں کا باہمی تعلق۔ رحم۔ محبت اور ایثار کا رشتہ ہوتا ہے۔

چونکہ یسوع خدا کو باپ تصور کرتا تھا لہٰذا وہ قدرتی طور پر اپنے آپ کو اُس کا بیٹا خیال کرتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ خدا کا بیٹا کہلاتا ہے۔ یہ الفاظ بطور استعارہ مستعمل ہیں اور خدا اور یسوع کے درمیان رُوحانی رشتہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک صورت میں تمام بنی آدم خدا کے فرزند ہیں۔ خدا نے ہم سب کو خلق کیا ہے۔ لیکن اگر ہم اخلاقی اور رُوحانی نقطۂ نگاہ سے اس معاملہ پر غور کریں تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ ہم میں سے اکثر اخلاقی طور پر خدا سے بہت دُور ہیں۔ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے لہٰذا انسان خدا سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور اس نکتہ کی رُو سے وہ خدا کا فرزند ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی طبیعت اور اخلاق کی وجہ سے بدی کی جانب راغب ہو تو وہ شیطان کا فرزند ٹھہرتا ہے نہ خدا کا۔ یہ لازمی امر ہے کہ بیٹا باپ سے مشابہ ہو پس چاہیئے کہ خدا کا فرزند بھی اس سے مشابہ ہو۔ انسان کا انتہائی مقصد یہی ہے۔ یسوع مسیح نے اس

مشابہت کو کامل طور پر دکھا دیا۔ وہ اپنی زندگی۔ اپنے خیال و مزاج اور اپنی رُوح میں اس قدر خدا سے مشابہ تھا کہ اُس نے محسوس کیا وہ خدا کا بیٹا ہے اور خدا اُس کا باپ ہے۔ درحقیقت ہم خدا کے فرزند نہیں کیونکہ ہماری زندگیاں اور ہمارے جذبات کامل طور پر خدا کی مرضی کے مطابق نہیں۔ ہماری روزانہ زندگی میں بے شمار ایسی باتیں ہیں جو تمام کی تمام راست وحق نہیں۔ جب ہم اُن کو یاد کرتے ہیں تو ہم شرمندہ ہوتے ہیں۔ لیکن یسُوع مسیح کی زندگی میں قطعاً کوئی ایسی بات نہ تھی۔ وہ اپنے اخلاق و اوصاف میں عین خدا کی مانند تھا۔ خدا اور یسُوع مسیح کے ارادہ و مرضی میں کامل مطابقت و موافقت تھی۔ جب ہم آزمائے جاتے ہیں تو اکثر اوقات ہم آزمائش میں گر جاتے ہیں۔ یسُوع مسیح بھی ہماری طرح آزمایا گیا تو بھی بیگناہ رہا۔ وہ ہمیشہ خدا کی مرضی بجا لاتا رہا۔ خدا کا حُسن اور اُس کا جمال اور اُس کا فضل یسُوع کے اعمال و اقوال سے اس قدر ظاہر ہوُا کہ وہ یہ کہنے کے قابل تھا کہ "جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو بھی دیکھ لیا" یعنی خدا کو۔ درحقیقت ہر ایک نے جس نے یسُوع کو دیکھا۔ یا اُس کے ساتھ کوئی واسطہ یا تعلق رکھا۔ یہ محسُوس کیا کہ وہ ابنِ خدا ہے واقعی خدا کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ یسُوع مسیح خداوند ہے۔ فقط ایک ہے جو خدا کو "باپ" کہنے کا حقدار ہے۔ اور وہ یسُوع مسیح ہے۔ ہم تو محض انسان ہیں جو اس کی جانب رواں ہیں ہماری زندگی نقائص سے پُر ہے۔

بعض اشخاص خداوند یسُوع کے ابن اللہ ہونے کو مافوق

الادراک اور مابعد الطبیعات سمجھتے ہیں اور وہ خداوند یسوع کے باہمی رشتہ کو بیان کرنے کے لئے فلسفیانہ نظریے پیش کرتے ہیں اور اس میں اِس قدر غلو کرتے ہیں کہ یسوع کا بنی نوع آدم ہونا ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کی ان مساعی میں اساسی غلطی کا باعث یہ خیال ہے کہ خدا اور انسان کی ماہیت ایک نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ درحقیقت خدا اور انسان کی ایک ہی ماہیت ہے۔ اُن میں باہم اختلاف نہیں حقیقی انسانیت نیکی رحم اور صفات و اخلاقِ حمیدہ سے مُرادف ہے۔ یہی حقیقت خدا کے حق میں بھی درست ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ الٰہی نیکی و رحمت حقیقی انسان میں ظاہر نہ ہو؟ یسوع مسیح کی انسانیت ایک امر حقیقی ہے۔ وہ ہماری مانند زندہ رہا۔ اُس نے تکلیف و مصیبت کو برداشت کیا۔ اُس نے مشکلاتِ زندگی کا مقابلہ کیا۔ وہ آزمایا گیا لیکن اُس نے خدا کا کمال ظاہر کر دیا۔ خدا انانیت یا خودی کا صاحب ہے۔ اور حالانکہ اِس انانیت یا خودی کا اظہار متعدد اشیا کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو بھی اُس کا اصل انکشاف ایک شخصیت یا خودی میں ہی ہوتا ہے اور یسوع مسیح کی شخصیت میں ظہورِ الٰہی کامل طور پر مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ ہم میں اور خداوند یسوع میں فرق یہ ہے کہ اُس میں اور خدا میں کامل مطابقت و موافقت ہے۔ وہ ہر وقت خدا کے احکام کی تعمیل کرتا تھا نہ کہ ہماری مانند گاہے گاہے۔ ہماری زندگیوں میں اکثر اوقات ہماری مرضی اور ہماری خواہش خدا کی مرضی اور خواہشوں کے خلاف ہوتی ہیں لیکن یسوع مسیح میں خدا کی مرضی و ارادہ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اُس نے

نہ فقط خدا کی محبت اور رحمت کی تعلیم ہی دی بلکہ اُن کو اپنی زندگی میں کامل طور پر ظاہر کر دیا ایسا کہ اس کے افعال خدا کے افعال تھے اور اُس کے اقوال خدا کے اقوال۔ یسوع مسیح سے پیشتر انبیائے کرام خدا کے متعلق بتلاتے رہے لیکن یسوع نے اپنی زندگی میں خدا کے پیغام کا نمونہ پیش کر دیا۔ لہذا وہ تعلیم دیتے ہوئے یوں فرماتا ہے "مَیں تم سے کہتا ہوں"۔ اس طور پر خدا اور خداوند مسیح یک دِل اور یک رُوح تھے۔ یہی بات ہے جو یسوع مسیح کو دُنیا کی تاریخ میں یکتا و یگانہ بناتی ہے۔

دُنیا میں سب سے شدید ترین جنگ نیکی اور بدی اور محبت دشمنی کے درمیان ہُوا کرتی ہے۔ خدا محبت اور نیکی کی تائید کرتا ہے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان نیکی و محبت کی حمایت کریں۔ حتیٰ کہ آخر کار دُنیا میں نیکی غالب آئے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اکثر اوقات لوگ بدی اور دُشمنی اور عداوت کا ساتھ دیتے اور محبت اور راستبازی کے عوض کذب و دروغ اور فریب کاری کی پیروی کرتے ہیں۔ یسوع مسیح ہمیشہ نیکی اور حق کی حمایت کرتا تھا اور وہ کبھی ان سے کنارہ کش نہ ہُوا۔ شاید اگر وہ اہلِ یہود کی خواہشوں کے مطابق عمل کرتا تو ممکن ہے کہ وہ اپنے لئے بادشاہی قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اُس نے اس خیال کی قطعاً تردید کی۔ اُس نے ایک بادشاہی کا ذکر کیا لیکن وہ دنیوی بادشاہی نہ تھی بلکہ خدا کی بادشاہی تھی۔ اُس نے حاکم کے روبرو علانیہ کہا کہ "میری بادشاہی اس دُنیا کی نہیں"۔ اس کو فقط خدا کی بادشاہی کا علم تھا۔ خدا کی بادشاہی کی تکمیل فقط ہماری زندگیوں میں خدا کی مرضی کو بجا لانے کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یسوع مسیح اپنی زندگی میں اس بادشاہی سے واقف تھا اور اُس نے کوشش کی کہ اس کو تمام بنی آدم

پر ظاہر کر دے۔ یہ کہنا کہ یسُوع مسیح نے دُنیوی بادشاہی قائم کرنے کی کوشش کی اور اس میں ناکام رہا۔ سراسر غلط ہے۔ اگر یسُوع چاہتا تو اہلِ یہود سے کچھ نہ کچھ سمجھوتا کر لیتا اور یُوں اپنی مشکلات سے رہائی پا لیتا لیکن اُس نے اِس بات کا خیال تک بھی نہ کیا۔ اُس نے فقط حق کی پیروی کی۔ اُس نے الفاظ "میں ہی ہوں" کہہ کر اپنے آپ کو اُن سپاہیوں کے جو اُس کو گرفتار کرنے آئے تھے حوالہ کر دیا۔ اور جب رُومی حاکم کے رُوبرُو اس کی زندگی کا فیصلہ ہو رہا تھا تو بھی اُس نے اپنا انداز نہ بدلا۔ اور یہ کہا "میں اس لئے پیدا ہؤا اور دُنیا میں آیا ہوں کہ حق کی گواہی دُوں"۔ جب اُس کا مضحکہ اُڑایا گیا اور اس پر تھوکا گیا تو بھی اُس نے اپنے دشمنوں کا مقابلہ نہ کیا۔ اور آخرکار جب وہ دو ڈاکوؤں کے درمیان صلیب پر لٹکایا گیا اُس نے یُوں دُعا کی "اے باپ اُنہیں معاف کر"۔ ایسے حالات کے درمیان ایسی طبیعت کا اظہار فقط ایک بزرگ اور عظیم شخصیت کا نتیجہ ہے اور بس۔ ہم اکثر اوقات معمولی باتوں کے لئے اَوروں کو تنگ کرتے ہیں۔ اُن پر فتویٰ لگاتے ہیں اور اُنہیں بُرا بھلا کہتے ہیں لیکن خداوند یسُوع مسیح نے بدی کے عوض نیکی غیظ و غضب کے عوض حلم و فروتنی اور دُشمنی و عداوت کے عوض محبت کا سلوک کیا۔ اسی میں یسُوع کی عظمت اور طاقت و قوت کا راز مخفی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی قُربت کو حاصل کرے اور اس سے اثر پذیر نہ ہو۔ اس اعتبار سے یسُوع مسیح کی شخصیت یگانۂ روزگار ہے۔ وہ تاریخ انسانی میں یکتا ہے اور اُس کا راز فقط اس بات میں پنہاں ہے کہ اُس نے خدا کی ابویت کی حقیقت کو بخوبی معلوم کر لیا تھا۔

خدا کی ابوّیت اُس کی بزرگی و عظمت یا اُس کی طاقت و قدرت کو ہرگز کم نہیں کرتی بلکہ برعکس اس کے وہ اُس کی عظمت اور قدرت کا صحیح مفہوم پیش کرتی ہے۔ اِس دُنیا میں طاقت و قدرت کے بے شمار سرچشمے ہیں۔ یعنی جسمانی طاقت و تفوّیت۔ جاہ و جلال کی قدرت وغیرہ وغیرہ لیکن وہ حقیقی طاقت و قدرت کے سرچشمے نہیں اور نہ ہی اُن میں اصل الٰہی قدرت موجود ہے۔ خدا کی طاقت و قدرت۔ اُس کی طبیعت اور اُس کی نیکی یا یُوں کہو کہ اُس کی ابوّیت میں پائی جاتی ہے۔ کسی باپ کے اُس اختیار یا اقتدار کا راز جو وہ اپنے بچوں پر رکھتا ہے۔ اُس اختیار یا اقتدار کے استعمال میں نہاں نہیں بلکہ وہ اُس کے انداز محبّت و عزّت میں مخفی ہے۔ خوف کے ذریعہ سے لوگوں پر اثر نہیں کیا جاتا بلکہ یہ محبّت و لحاظ کے باعث ممکن ہوسکتا ہے۔ بارسُوخ حاکم وہی ہے جس کا اعتبار اس کی نیکی اور انصاف پسند طبیعت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ سزا کا خوف عارضی طور پر لوگوں کو قابو میں رکھ سکتا ہے لیکن وہ اُن کے دِلوں کو مسخر نہیں کرسکتا۔ ملک میں حقیقی صُلح و سلامتی فقط نیک اور منصفانہ انتظام و حکومت کے سبب سے قائم ہوسکتی ہے۔ لائق اور قابل حاکم رعایا کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ اسی طرح مدرسہ میں ضرور ہے کہ شاگرد اپنے اُستاد کی نیکی اور راستبازی کے قائل ہوں۔ قبل ازیں کہ وہ اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اپنے فرائض کو دِلی خوشی کے ساتھ انجام دیں۔ چاہیئے کہ شاگرد اُستاد کو اپنا باپ تصوّر کرے۔ یہی بات خاندان کے حق میں بھی صحیح ہے۔ وہ بچے جو فقط خوف کی وجہ سے اپنے باپ کے احکام بجالاتے ہیں جوان ہوکر اُس

خاندانی قید سے رہائی پانا چاہتے ہیں۔ قبل ازینکہ کوئی باپ اپنے شہر کا نے خاندان کو اپنے زیرِ اختیار لائے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُن کی محبت و تعظیم کے لائق بنائے۔ یہی حقیقت خدا کے حق میں بھی صادق آتی ہے۔ دُنیا ایک خاندانِ عظیم کی مانند ہے اور خدا اس خاندان کا باپ ہے۔ وہ ہماری خبر گیری کرتا۔ ہم سے محبت رکھتا اور ہم سے نیک سلوک کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ہماری محبت اور ہماری تعظیم و تکریم کے لائق ہے۔

مزید براں یسُوع نے اس پدرانہ طاقت و قدرت کو دُنیا پر ظاہر بھی کر دیا ہے۔ اُس نے تمام بنی آدم سے محبت رکھی اور اُس بڑی محبت کو جو باپ اپنے بندوں سے رکھتا ہے واضح کر دیا۔ خدا محبت ہے اور یسُوع مسیح بھی محبت بن گیا۔ اُس کی زندگی کا اصُول یہ تھا کہ بنی نوع انسان کی خدمت کرے بالخصوص ان کی مدد کرے جو قوم و ملّت کے دائرہ سے خارج شُدہ ہوں۔ اُس نے مریضوں کو شفا بخشی۔ اُس نے حقیروں اور رذیلوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا اور وہ اُن کا دوست بن گیا جن کو لوگ بنظرِ احتقار دیکھتے اور گنہگار گردانتے تھے۔ لہٰذا اُس نے لوگوں کی زندگیوں پر بڑا اثر کیا۔ ان تمام باتوں کا راز یسُوع مسیح کی الٰہی محبّت تھا۔ متعدد اشخاص نے خدا کی محبت کا بیان کیا ہے۔ لیکن خداوند یسُوع مسیح نے الٰہی محبت کو سب سے افضل و اعلیٰ مرتبہ بخشا اور اس کو اپنی زندگی کا مرکز بنایا۔ مسیح کے خدا کی الوہیّت کے علم اور بنی آدم پر اُس کے الٰہی محبت کے انکشاف میں ہی اُس کی زندگی اور تعلیم کی بنیاد موجود ہے۔ اگر ہم خدا کو فقط ظالم اور ستمگر ہی سمجھیں۔

تو اُس کا خوف ہم پر طاری ہو جاتا ہے اور ہمارے دِل اُس سے دُور ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم خدا کو اپنا باپ تصوّر کریں اور ہم اُس کی محبّت کو اپنے دِلوں میں محسُوس کریں تو ہم اس سے محبّت رکھینگے اور اس کی عزّت و تعظیم کرینگے اور اُس کی اطاعت بھی کرینگے۔

محبّت سے کوئی گریز نہیں کر سکتا۔ ممکن نہیں کہ خالص محبّت کامیاب نہ ہو جو شخص ہم سے صادق محبّت رکھتا ہے ہم اُس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُس کی تابعداری کرتے اور اُس کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں مُشکلات کے وقت اُس کے نزدیک جاتے اور اس سے ہدایت اور رہنمائی چاہتے ہیں۔ کون ہے جس نے اپنے صادق دوست کے دروازہ پر دستک دی ہو اور اس کی درخواست قبول نہ کی گئی ہو؟ یا کونسا ایسا بیٹا ہے جس نے اپنے مشفق باپ کے سینہ پر تکیہ کرنا چاہا ہو اور مسترد کیا گیا ہو؟ اگر ہم خدا کو اپنا باپ تصوّر کریں تو ہمارا اور اُس کا تعلق بھی ایسا ہی ہوگا۔ دُعا کرنا اِسی نیت اور طبیعت سے خدا کے حضور جانا ہے یعنی اپنے اور اُس کے درمیان باپ اور بیٹے کے رشتہ کو قائم کرنا ہے۔ اکثر اوقات دُعا کے دَوران میں ہم خدا کو نہایت بزرگ اور اعلےٰ القاب سے مخاطب کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ اُن کو سُنکر خوش ہوگا درحالیکہ خدا کو ان الفاظ کی ضرورت نہیں وہ خالص اور بے لوث محبّت اور سادگی اور اخلاص کا خواہاں ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اُس کو اپنا باپ تسلیم کریں اور اُس کی مرضی بجالائیں۔ اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اُس سے محبّت رکھیں۔ خدا بزرگ اور اعلےٰ ہے لیکن باوجود اس کے وہ رحیم و کریم بھی ہے۔ اور

اُس کی عظمت و بزرگی اس کی محبّت میں ہے۔ خدا ہم کو اپنا فرزند سمجھتا ہے چاہئے کہ ہم بھی اس کو اپنا باپ سمجھیں۔

یسُوع مسیح نے تمام شریعت کو ایک ہی جُملہ میں یُوں پیش کیا۔

"خُداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دِل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبّت رکھ.... اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبّت رکھ۔" حقیقی انسانیت خدا سے اور انسان سے محبّت رکھنا اور خدا کو اپنا باپ اور بنی نوع انسان کو اپنے بھائی تصوّر کرنا ہے۔

دُورِ حاضرہ کی اجتماعی زندگی کے لئے اس کی ازبس ضرورت ہے جو کوئی خدا کو اپنا باپ تسلیم کرتا ہے وہ مذہبی۔ قومی اور نسلی اختلافات کو نظر انداز کر دیتا ہے کیونکہ وہ ہر ایک کے ساتھ محبّت سے پیش آتا ہے۔ خدا کے نزدیک اہلِ یورپ۔ اہلِ افریقہ و اہلِ امریکہ میں کچھ فرق نہیں۔ وہ تمام کو اپنے بچّے جانتا اور اُن پر اپنی بارش بھیجتا اور اپنے مہرِ عالم تاب کو روشن کرتا ہے۔ خدا نے ہر ایک شئے جو انسان کی خوشی و خرمی کا باعث ہو سکتی ہے کثرت سے نازل فرمائی ہے۔ دُنیا کی کلفت اور اشکوں کے سَیل کا سبب مادّی نعمتوں کی کمی نہیں بلکہ اس کی وجہ بنی آدم کی ناراستی۔ ان کی نخوت اور ان کا تکبّر و غرور ہے۔ اور یہی بات ہے جو ہماری اقتصادی اور قومی مُشکلات کی تہ میں ہے۔ بنی نوع انسان خدا کو فراموش کر کے ایک دوسرے کو بنظرِ حقارت دیکھ رہے ہیں اور ایک دُوسرے کی مدد کرنے کے بجائے ایک دُوسرے کو فریب دے رہے ہیں۔ ایک دُوسرے کو بھائی تصوّر کرنے کے عوض ایک دُوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ دوسرے کے نقصان میں

اپنے لئے نفع تلاش کرتے ہیں اور محبت کے بجائے انتقام کی روح ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا دُنیا ایک نہایت افسوسناک مقام بن جاتی ہے اگر ہم اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھائیں اور ربی العظیم اور ربی الاعلیٰ کو دیکھیں جو ہمارا خالق و مالک ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہماری خبرگیری کرتا ہے تو ہماری زندگیوں کی کایا پلٹ جائے دُنیا کو اسی کی از بس ضرورت ہے۔ آئیے ہم اِسی جانب قدم بڑھائیں اور اِس کارِ بزرگ کو سرانجام دینے کی کوشش کریں +